پروفیسر امین اللہ وثیر

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی[1] عہدِ جہانگیری اور عہدِ شاہجہانی کے نامور عالم اور مشہور و معروف مصنف ہیں۔ آپ کی تصانیف عالمِ اسلام میں ایک خاص شہرت رکھتی ہیں اور مدارسِ عربیہ میں آپ کی عظمت و فضیلت کا پھریرا تین صدیاں گذرنے کے باوجود آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ لہرا رہا ہے۔

مغلیہ دور میں سیالکوٹ ہندوستان میں اسلامی علوم کے بڑے بڑے مراکز میں سے ایک تھا اور طالبانِ علم اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کی خاطر اس شہر کا رُخ کیا کرتے تھے، بلکہ پروفیسر محمد اکبر کے الفاظ میں اس زمانے میں یہ شہر پرانے یونان کی یاد تازہ کیے ہوئے تھا۔[2]

مولانا عبدالحکیم ۹۸۸ھ میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ عہدِ عالمگیری کا ایک مؤرخ بختاور خاں (متوفی

---

[1] جبرِ محقق، تحریرِ مدقق، سرآمدِ دانشورانِ واجب التعظیم (شاہجہان نامہ جلد سوم ص۳۷۶) نشیب و فرازِ کمالات پیمودہ، در مضمارِ فضائل از ہمسران قصب السبق ربودہ (بادشاہ نامہ جلد اول ص۳۴۰) علامۂ زمان و افتخارِ زمانیاں (مآثر الکرام ص۲۰۴) افضل الفضلاء، اکمل العلماء، مظہرِ طبعِ مستقیم، بحرِ مواجِ فضل و کمال، در فضائل و افادات بیہمال (خلاصۃ التواریخ ص۴۳) در علومِ ظاہری فرید الدہر و در رموزِ باطنی وحید العصر، در حدیث و فقہ و تفسیر یکتا (خزینۃ الاصفیاء) الشیخ الامام، العلامۃ الکبیر الفاضل، صاحب التصانیف الفائقۃ و التالیف الرائقۃ، احد مشاہیر الہند (نزہۃ الخواطر، جزء خامس ص۲۱۲) علامۂ زمان، سرآمدِ اقران (تذکرۂ علمائے ہند، ص۱۱۱)، علامۃ الہند، امام العلوم، ترجمان الفنون فیہا و المعلوم، من کبار العلماء و خیارہم، رئیس العلماء (خلاصۃ الاثر جزء ثانی) یگانۂ آفاق، محسودِ علمائے معقولِ ہندوستان (حدائق الحنفیہ ص۴۱۲) البدر التم فی الشہب الثاقبۃ (سبحۃ المرجان ص۶۶)

[2] The Panjab under The Mughals P. 10

۱۰۹۴ھ) آپ کی تاریخ پیدائش لفظ حفظ[1] بتاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام شمس الدین تھا، چنانچہ عموماً خود فاضل سیالکوٹی اپنی تصنیفات کے آغاز میں اپنا ذکر "فیقول العبد المسکین عبدالحکیم بن شمس الدین" ہی سے کرتے ہیں۔ آپ نے اخوند ملا کمال کاشمیری[2] سے کہ "بلند پرواز عالم ملکوت" اور "بانوار بیا ضنت باطنی روشن" تھے۔

---

[1] تاریخ تولدش لفظ "حفظ"، گفتہ اند۔ دیکھئے مرآۃ العالم (ح ۸ - ف ۸۰ - ظ ۹۰۰) ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی نے اپنی کتاب "Kashir" میں مولانا عبدالحکیم کی تاریخ پیدائش ۹۶۸ھ لکھی ہے۔ مگر بختاور خاں کی تاریخ کے پیش نظر ڈاکٹر صوفی کی بیان کردہ تاریخ پیدائش قابل قبول نہیں ہو سکتی، بختاور خاں، اورنگ زیب عالمگیر کا درباری اور مولوی عبداللہ الملقب بالبیب (ابن عبدالحکیم السیالکوٹی) کا ہمعصر اور نیاز مند تھا۔

[2] القاضی الشیخ کمال الدین بن موسیٰ الحنفی الکشمیری اسم بامسمیٰ شخصیت کے مالک اور اپنے زمانے کے اجل علماء میں سے تھے۔ آپ جامع علم و عمل اور زہد و تقویٰ کا پیکر تھے۔ آپ کے برادر گرامی قدر ملا جمال بھی اپنے وقت کے ایک عظیم صاحب طریقت بزرگ تھے۔ ملا کمال بڑے عالم، شیخ کامل اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، تذکرہ نگار آپ کو "حلال وقائق و کشاف حقائق" کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ (دیکھیے تاریخ کشمیر اعظمی اور روضۃ الابرار) آپ مشہور صاحب طریقت، بابا فتح اللہ حقانی کاشمیری کے داماد اور مرید تھے۔ اور انھیں کی صحبت میں رہ کر آپ نے سلوک و معرفت کی اعلیٰ منازل طے کیں۔ اس کے بعد آپ خواجہ عبدالشہید نقش بندی، احراری کی خدمت میں حاضر ہوئے جو کہ خواجہ عبید اللہ احرار کی اولاد سے تھے۔ یہاں آپ نے راہ تصوف کے کمالات حاصل کیے۔

ملا کمال گورنر کشمیر حسین سے ناراض ہو کر ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۴ء میں سیالکوٹ چلے آئے اور وہاں ایک لمبے عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ سیالکوٹ کے علاوہ آپ نے لاہور میں مسند درس کو زینت بخشی اور ان دونوں شہروں میں بے شمار لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا، آپ یگانۂ روزگار تھے اور منطق، فلسفہ، کلام، اور اصول فقہ میں آپ کے نام کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، اور آپ کی کرامتوں کا بڑا چرچا ہوا کرتا تھا۔ علماء وقت کی ایک کثیر تعداد نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ چنانچہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی بھی اپنی تعلیمی زندگی کے ابتدائی دنوں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم و فنون سے بہرہ ور ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ سعد اللہ خاں، وزیر شاہ جہان بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اول ص ۱۵۴)

ملا کمال نے ۱۰۱۷ھ میں لاہور میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے، لیکن آج کل آپ کی قبر مفقود ہے۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۴)

شرف تلمذ حاصل کیا۔ اگرچہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے تذکرہ نگاروں نے مُلّا کمال کے علاوہ ان کے کسی اور استاد کا نام نہیں بتایا۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ملا کمال کے علاوہ بعض دیگر اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا۔ اور اپنے زمانے کے مشائخ سے فیوض باطنی حاصل کیے[۵۱]۔ چنانچہ سید احمد قادری نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے رسالہ انسان العین کے حوالے سے لکھا ہے کہ غالباً مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ بھی (شیخ عبدالحق) محدث دہلوی کے تلمیذ حدیث تھے[۵۲]۔

انسان العین فی مشائخ الحرمین میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے بعض ان اساتذہ کا ذکر کیا ہے، جن سے انھوں نے اسنادِ حدیث حاصل کی۔ انھیں اساتذہ میں سے شیخ ابوطاہر محمدؒ کے حالات کے تحت فرماتے ہیں:

خرقہ و اجازت از بزرگان بسیار گرفت . . . از انجملہ شیخ عبداللہ لاہوری، وکتب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی از وے روایت کند۔ عن الشیخ عبداللہ اللبیب عن مولانا عبدالحکیم، وکتب شیخ عبدالحق دہلوی بہمیں واسطہ از مولانا عبدالحکیم روایت کند و وے از شیخ عبدالحق اجازۃً و روایۃً (ص ۹-۱۹۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) تذکرہ علماء ہند ص ۱۷۳، حدائق الحنفیہ میں آپ کی تاریخ وفات "حدیقۂ فیض" سے نکالی گئی ہے۔ تاریخ کشمیر اعظمی میں آپ کی وفات کا مصرعۂ تاریخ حسب ذیل ہے: ملحق حق، قطب و تاج اولیا۔ ملا کمال (۱۰۱۷ھ) صاحب خزینۃ الاصفیاء نے تاریخ وفات کے یہ دو مصرعے لکھے ہیں: شمع نور عارف گو تاریخ او ۱۰۱۷ نیز سالک تاج عرفانی، کمال ۱۰۱۷

ملا کمال کے صاحبزادے حکیم دانا سیالکوٹی (اصل نام محمدؐ رضا یا ملا صادق۔ (تذکرہ اسلاف ص ۵۴ و تذکرہ علماء ہند ص۵۴) بھی ایک اعلیٰ پایہ کے عالم تھے۔ آپ نے مختلف علوم و فنون میں شہرت پائی۔ آپ کی ملاقات جہانگیر سے بھی ہوئی اور اس نے آپ کو انعامات سے نوازا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی سنت نبویؐ کے احیاء اور تعلیم و تدریس میں صرف کی۔ عمر کے آخری حصے میں آپ نے دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ آپ سری نگر کے محلہ جمال الٹہ میں دفن کیے گئے۔ (تذکرہ اسلاف ص۲۶)

ملا جمال کے نامور صاحبزادے قاضی ملا ابوالقاسم نے بھی علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل اپنے باکمال چچا ملا کمال سے کی۔ (ایضاً ص ۲۷)

۵۱۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۱۴ — نیز دیکھیے خزینۃ الاصفیاء ص ۳۵۱ — و شیخ عبدالکریم فیض طریقت ہم از اکثر مشائخ عظام حاصل کردہ بود۔

۵۲۔ "تذکرہ شیخ عبدالحق محدث" ص ۱۵۸۔

شاہ صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا تلمیذِ محدثِ دہلوی ہونا تو بالکل واضح ہے مگر اس بیان سے یہ عجیب حقیقت بھی منظرِ عام پر آتی ہے کہ خود شاہ ولی اللہ بھی مولانا سیالکوٹی کے شجرۂ نسب علمی میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی یہ سند علمی یوں ہوگی: الشاہ ولی اللہ الدہلوی عن الشیخ ابی طاہر محمد عن الشیخ عبداللہ لاہوری عن الشیخ عبداللہ اللبیب عن مولانا عبدالحکیم السیالکوٹی۔

مولانا عبدالحکیم عمر بھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ دُور دُور سے طلبہ ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لیے ان کے پاس حاضر ہوتے اور باکمال بن کر لوٹتے تھے۔ سبحان رائے کا بیان ہے:

"و طلبۂ علم از ممالک دور و نزدیک در مدرسۂ متبرکۂ ایشاں رسیدہ فیض یاب شدند"[۱]

اگرچہ اکبر کے دربار تک آپ کی رسائی پانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ اس مغل شہنشاہ کے عالی شان مدرسۂ لاہور میں بھی سرکاری طور پر مدرس مقرر کیے گئے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کافی مدت تک لاہور میں مقیم رہے اور صدہا طلبہ نے آپ سے حصولِ علم کیا۔ بلکہ اسی مدرسہ کے دورانِ قیام میں آپ فاضل لاہوری کے لقب سے مشہور ہوگئے[۲]۔ چنانچہ "سلم العلوم" کے مشہور شارح ملا حمد اللہ بھی آپ کے قول کو "قال الفاضل اللاھوری" کی تعبیر سے پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا نام جہانگیر کے عہدِ حکومت میں منظرِ عام پر آتا ہے۔ "اقبال نامۂ جہانگیری" میں آپ کا نام "ذکرِ فضلا کہ معاصر زمان اشرف بودند" کے تحت درج ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں آپ کا قیام سیالکوٹ ہی میں رہا اور دارالسلطنت میں جانے کا آپ کو اتفاق نہیں ہوا۔ مُلّا عبدالحمید لاہوری کا کہنا ہے:

"در ایامِ سعادت فرجام حضرت جنت مکانی بفردیاتِ معیشت در ساختہ عزلت گزین بود"[۳]

محمد اسلم بن محمد حفیظ پسروری[۴] (عہدِ شاہ عالم) نے بھی اس زمانے میں مولانا عبدالحکیم کی قناعت و عزلت گزینی کی شہادت دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

---

۱ خلاصۃ التواریخ ص۷۳ ، ۲ روضۃ الادبا، ص۱۴۳ ، ۳ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص۳۴۱

۴ فرحت الناظرین کے مصنف محمد اسلم پسروری کے جد امجد ملا عبدالوہاب پسروری مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے تلامذہ میں سے تھے، وہ اپنے زمانے کے مشاہیر فضلا میں سے تھے اور پرہیزگاری اور خدا پرستی سے موصوف تھے۔ شاہجہان نے انھیں جاگیر دی تھی جو سکھوں کے عہد تک ان کی اولاد کے قبضے میں رہی۔ (دیکھیے فرحت الناظرین ص۷۷-۶۰)

"در ایام جنت مکانی (برحاشیہ — جہانگیر) بکم وبیش ساختہ بقناعت می گزرانید" [۵۱]

مگر جب شاہ جہان تخت نشین ہوا تو آپ کی قدر و منزلت اور شہرت و ناموری میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ آپ بارہا دہلی گئے۔ دربار شاہی میں پہنچے اور ہمیشہ گراں قدر عطیوں سے نوازے گئے۔ شاہ جہان کے دل میں آپ کی بڑی عزت تھی۔ اس کے زمانے میں آپ کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ اس نے آپ کو دو مرتبہ چاندی میں تلوایا، اور دونوں مرتبہ چھ چھ ہزار روپیہ کے برابر آپ کا وزن ہوا، اور وہ ساری دولت آپ کی نذر کر دی گئی۔ اس نے آپ کو آپ کے وطن سیالکوٹ میں کئی دیہات بھی بطور جاگیر دے رکھے تھے۔ ان تمام واقعات کی تصدیق و تفصیل کے لیے معاصر تصانیف مثلاً بادشاہ نامہ اور عمل صالح، نیز قدیم تذکرے۔ مرآۃ العالم، فرحۃ الناظرین، خلاصۃ التواریخ وغیرہا سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ملا عبد الحمید لاہوری کا بیان ہے:

"دریں دولت خداداد کہ بازار دانش رواج دیگر گرفتہ است و کار دانشوراں رونق از سر اسباب رفاہیت حال و فراغت بال فراہم دارد، چندہ دہ در نسبت برسم سیورغال بدو مرحمت شدہ و ہرگاہ بدرگاہ عرش اشتباہ آمدہ کامیاب حضور می گردد، از دربار افضال شہنشاہ بے ہمال مبالغ گراں قدر نقدے یابد" [۵۲]

چنانچہ آپ بڑی فراغت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتے رہے اور بکمال اطمینان علم و فضل کی آبیاری میں عمر بھر مشغول رہے اور ہندوستان کے علما میں ایک منفرد اور ممتاز مقام کے مالک بن گئے۔

المحبی کا کہنا ہے: لم یبلغ احد من علماء الہند فی وقتہ ما بلغ من الشأن والرفعۃ و ولا انتفی واحد منہم الی ما انتفی الیہ جمع الفضائل عن بیر وحاز العلوم وانفرد [۵۳]

شاہ جہان کے عہد میں مولانا عبد الحکیم کی قدر و منزلت میں اضافہ کی وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ بعض اقوال کے مطابق آپ مغلیہ خاندان کے بعض شاہزادوں کے بھی استاد تھے [۵۴] مولانا عبد الحی لکھنوی تحریر کرتے ہیں کہ بادشاہ کی طرف سے ہر سال آپ کو ایک لاکھ روپیہ ملتا تھا [۵۵]۔ جبکہ مولوی رحمان علی نے یہ رقم سالانہ کی بجائے ماہوار بتائی ہے [۵۶]

---

[۵۱] فرحت الناظرین ص ۲۳۷ — [۵۲] بادشاہ نامہ۔ جلد اول حصہ دوم ص ۳۴۲

[۵۳] خلاصۃ الاثر الجزء الثانی ص ۳۱۸ و بعد، [۵۴] حدائق الحنفیہ ص ۴۱۵

[۵۵] نزہتہ الخواطر۔ جزء خامس ص ۱۶۴ — [۵۶] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۱

دراصل مُلّا کمال کشمیری نے سیالکوٹ میں آکر علم و فن کا جو پودا لگایا تھا، مولانا عبدالحکیم نے اس کی آبیاری کی اور اسے پروان چڑھایا، اس شہر میں انھوں نے استاد کی وفات کے بعد ان کے علمی فیض کو جاری رکھا اور دینی و علمی خدمات میں برابر مصروف رہے۔ مُلّا کمال جس مسجد میں بیٹھ کر مسندِ درس کو زینت بخشا کرتے تھے وہ آج بھی سیالکوٹ میں موجود ہے۔ اور ان کے تلمیذِ رشید کے مدرسے کے کچھ آثار بھی تا ہنوز باقی ہیں۔ شاہجہان کے عہد میں آپ نے سیالکوٹ کے علاوہ لاہور میں بھی درس جاری کیا۔ اور ایک زمانے میں آپ اکبر آباد (آگرہ) کے سرکاری مدرسے میں بھی مدرسِ اعلیٰ بنا کر بھیجے گئے۔ اس علمی درسگاہ کی بنیاد اکبر نے رکھی تھی۔ یہاں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور مشہور شاعر قدسی ایک ہی وقت میں فرائض درس و تدریس سرانجام دیتے رہے[1]

اس دَور کے علماء مولانا عبدالحکیم کی فضیلت اور اعلیٰ علمی مرتبے کے قائل تھے، اور آپ کا فتویٰ سارے ہندوستان میں جاری و ساری تھا، حتیٰ کہ حکامِ دولت کو بھی آپ کے حکمِ شرعی کے سامنے جائے چون و چرا نہیں ہوتی تھی۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے:

"علمائے ہند بر قول و فعلِ وے جائے اعتراض و حکامِ عہد را از حکمِ شرع کہ بفتویٰ وے جاری شدے، جائے انکار و اعتراض نبودے"

محمدؐ المحبی کہتے ہیں: "کان رئیس العلماء عند سلطان الھند خرم شاہ جہان، لا یصدر الا عن رائہ .... وفضلہ اشہر من أن یزاد فی وصفہ"[2]

اسی سلسلے میں ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے "Studies in The History of Gujarat" کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی گجرات کی گورنری کے زمانے میں احمد آباد کے ایک ناجائز تعمیر کردہ جین مندر کو گرا کر مسجد بنانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن جب دارا شکوہ گجرات کا گورنر بنا تو اس نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے فتویٰ کے مطابق شاہ جہان کے حکم سے یہ عمارت دوبارہ بحیثیتِ مندر واگذار کر دی[3]۔

معاصرین سے تعلقات

شاہجہان کے زمانے میں ہندوستان، علماء و فضلاء کا مرکز و منبع بنا ہوا تھا۔ یہ زمانہ ہندوستان

---

[1] رودِ کوثر ص ۳۵۶ [2] خلاصۃ الاثر ص ۳۱۹، الجزء الثانی

[3] دیکھیے: History of Muslim Civilization in India and Pakistan

میں علوم عقلیہ کی ترویج و ترقی کا زمانہ تھا - ایران کے علما کی ایک کثیر تعداد شاہجہان کی سخاوت و فیاضی کا شہرہ سُن سُن کر اس ملک میں آئی اور ان میں سے بہت سے فضلا، براہِ راست دربارِ شاہی میں بھی ملازم ہوئے - ان حضرات میں سے اکثر فضلا، سے علمائے ہند کے مناظرے بھی رہے - (شاہجہان ان علمی مجالس میں ذاتی طور پر دلچسپی لیا کرتا تھا) چنانچہ ایک ایرانی فاضل ملا شفیعا اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا مناظرہ بہت مشہور ہے - ملاّ شفیعائی یزدی کا اصل نام محمد شفیع اور لقب دانشمند خان تھا - یہ لقب انھیں دربارِ شاہ جہانی سے عطا ہوا تھا۔ فرحت الناظرین کے مطابق وہ "یگانۂ آفاق اور سرآمدِ علمائے خراسان و عراق تھے"۔ ؎۱

مآثر الامرا میں اس مناظرے کی روداد مندرجہ ذیل ہے:

"گویند چوں بملازمتِ پادشاہی فائز گردید بحبہتِ مباحثہ و مناظرہ علمی بملا عبدالحکیم سیالکوٹی کہ بعلم و دانش از اساتذۂ باستانی سبقت بُرد و بہ از و در ہندوستان نشان نہ دہند و حواشئ خرد پسند او بر جمیع کتبِ معتبرہ بہائے است واضح، اشارت رفت میانِ ہردو فاضل در واو عطف (ایاك نعبد و ایاك نستعین) گفتگوئے طولانی واقع شد و بزمانے دراز کشید، علامی سعد اللہ خان کہ در علم علم بود، ممیز گشت و آخر ہردو برابر ماندند ؎۲

فرحت الناظرین میں لکھا ہے کہ: در تفسیر آیۂ کریمہ (ایاك نعبد و ایاك نستعین) مباحثہ کردند وسخنانِ بلند و نکاتِ دلپذیر ازاں ہردو دانشمند تحریر بمنصۂ ظہور آمد۔ ؎۳

تاریخِ کشمیر اعظمی کے مطالعہ سے ایک اور عالم وقت ملاّ فاضل سے بھی مولانا عبدالحکیم کی علمی بحثوں کا پتہ چلتا ہے:

"ملا فاضل محرّر دانشمند، مدقق بود و بہ جدل و سجاتے اشتہار یافتہ اکثر حواشئ ملا عبدالحکیم سیالکوتی را رومی نوشت"۔ ؎۴

ملا فاضل کے مجادلہ و مباحثہ کی شہرت اور مولانا عبدالحکیم کے حواشی سے اختلاف کرنے کا ذکر مولوی محمد الدین جہلمی نے بھی اپنی کتاب روضۃ الابرار میں کیا ہے۔

علمائے ہند کا شاندار ماضی میں ملفوظاتِ عزیزیہ کے حوالے سے مولانا عبدالحکیم اور ملا فاضل

؎۱ ص ۷۰ ، ؎۲ مآثر الامرا، جلد دوم ص ۳۲ ، (۳) دیکھیے اورنٹیل کالج میگزین، لاہور اگست ۱۹۲۸ء

؎۴ ص ۱۴۴

کے بارے میں ایک دلچسپ حکایت بیان کی گئی ہے جو ہدیۂ قارئین ہے:

ملا محمد فاضل بدخشاں میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل و مکمل ہو کر شاہجہان بادشاہ کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ "ملک العلماء" کا منصب اور خطاب مجھے مرحمت فرمایا جائے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اس عہدہ و منصب پر فائز تھے، شاہجہان نے کہا، آپ دونوں صاحب مناظرہ کر لیں جس کو زیادہ قابل سمجھوں گا اس کو ملک العلما بنا دوں گا۔ ملا محمد فاضل صاحب نے بذاتِ خود مولانا عبدالحکیم صاحب سے مناظرہ کرنے میں اپنی ہتک سمجھی۔ فرمایا کہ میرا کوئی شاگرد مولانا سے مناظرہ کرے گا۔ یہ کہہ کر دربارِ شاہی سے رخصت ہوئے اور سیدھے ہرات پہنچے، وہاں ابھی مرزا زاہد اپنے والد سے صرف پڑھا کرتے تھے ملا فاضل نے ذکی اور ذہین سمجھ کر ان کے والد صاحب سے اجازت چاہی کہ وہ خود ان کو تعلیم دیں، چنانچہ بہت تھوڑے عرصے میں مرزا زاہد کو عالم و فاضل کر کے اپنے ہمراہ دربارِ شاہجہان میں لائے اور فرمایا، یہ میرا شاگرد حاضر ہے جو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے مناظرہ کرے گا۔ مولانا سیالکوٹی نے پہلی نظر میں تاڑ لیا کہ مرزا زاہد صاحب "صرف" میں کچے ہیں۔ بادشاہ کے سامنے ہی فرمایا اس بچے سے صرف کے صیغوں کے سوا اور کیا پوچھ سکتا ہوں، اور پھر شافعیہ کی ایک عبارت کا مطلب پوچھ لیا۔ وہ عبارت مرزا زاہد کے ذہن میں نہ تھی، فرمایا: کتاب دیکھ لوں، مولانا عبدالحکیم صاحب نے فوراً فرمایا: ابھی تک کتاب کی ضرورت ہے! الغرض ملا فاضل اس مرتبہ بھی شکست کھا کر بے نیلِ مرام واپس ہو گئے [1]

اسی طرح بلخ کے ایک فاضل "جلوہ طرازِ حسنِ کلام، فاضلِ عالی فطرت والا مقام"[2] مولانا عوض وجیہہ کی بعض مسائل کے بارے میں مولانا عبدالحکیم کے ساتھ گفتگو اور سوال و جواب کا ذکر بھی بعض تذکروں میں ملتا ہے [3]

"تاریخِ کشمیر اعظمی میں مولانا عبدالحکیم کے دو اور معاصر علما کے نام ملتے ہیں جن سے مولانا کی نوک جھونک رہا کرتی تھی۔ ان بزرگوں کے نام ملا ابوالحسن المعروف بشاہم بابا اور ملا باقر نارہ للوہیں۔

اپنے وقت کے صوفیائے کرام سے بھی فاضل سیالکوٹی کے تعلقات استوار تھے اور ان سے اکثر آپ کی ملاقاتیں رہا کرتی تھیں۔ اس سلسلے میں حضرت میاں میرؒ صاحب کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جن سے

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اول ص ۲۶۶ [2] عمل صالح ص ۳۹۱

[3] دیکھیے: معارف اعظم گڑھ مارچ ۱۹۶۳

ملاقات کا ایک واقعہ دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں بیان کیا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ :

ایک دن جہانگیر حضرت میاں میرؒ صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی اس وقت وہیں موجود تھے۔ حضرت میاں میرؒ نے بادشاہ کو خدا تک پہنچنے کے طریقے بتانا شروع کیے اور کہا کہ یہ وصل الی اللہ دو طریقوں سے ممکن ہے۔ اول جذبہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یک بارگی بندے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، دوسرا سلوک جو ریاضت، مجاہدہ اور کسی بزرگ کا دامن تھامنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ راہ سلوک کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جب سالک پر عالم ملکوت کا کشف ہو جاتا ہے تو اس کا پیر اسے جنگلوں اور ویران جگہوں میں بھیج دیتا ہے تاکہ وہ تنہا یادِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ قربِ حق کے حصول کے لیے خلقت سے کنارہ کشی ضروری ہے۔ مولانا عبدالحکیم ایک عالم باعمل شخصیت کے مالک تھے، آپ نے یہ جاننے کے باوجود کہ بادشاہ ان کا بہت معتقد ہے اور بنفسِ نفیس مجلس میں موجود ہے، خاموشی اختیار کرنا مناسب نہ سمجھا، اور کہا کہ حضرت! آپ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ عین رہبانیت کی تعلیم ہے اور اسلام اس تعلیم کی اجازت نہیں دیتا مولانا عبدالحکیم نے جنگلوں کی تنہائی میں جاکر یادِ الٰہی میں مصروف ہونے پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا کہ اس طرح نماز باجماعت فوت ہو جاتی ہے اور ایک اہم سنتِ نبوی کا ترک لازم آتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب حضرت میاں میر نے اپنے مخصوص صوفیانہ انداز میں دیا۔

ایک اور صوفی بزرگ شیخ آدم بنوری کے ساتھ ملاقات کا واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ گو مولانا عبدالحکیم ہمہ وقت شاہجہان کے دربار میں تو نہیں رہتے تھے لیکن شاہجہان کو ان پر بے انتہا اعتماد تھا اور وہ انتظامی امور میں بھی آپ کی اعانت حاصل کرتا رہتا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں لکھا ہے کہ جب شیخ آدم بنوری کی بے اندازہ شہرت کی خبر شاہجہان کو پہنچی تو اس نے حالات معلوم کرنے کے لیے سعداللہ خان اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو بھیجا۔ دونوں حضرات شیخ آدم کی قیام گاہ پر پہنچے۔ شیخ اس وقت مراقبہ میں تھے اس لیے ان دونوں کو کافی دیر تک باہر ہی بیٹھنا پڑا جب شیخ خلوت سے باہر آئے تو دونوں عالم ان کے زاویہ میں جا پہنچے لیکن انھوں نے چنداں پرواہ نہ کی، اور سرد مہری سے پیش آئے۔ ان دونوں کو شیخ کی اس بے رخی سے کوفت ہوئی۔ چنانچہ سعداللہ خاں وزیر نے کہا کہ میں تو خیر اہلِ دنیا میں سے ہوں اس لیے شاید مستحق تعظیم نہیں۔ مگر مولانا عبدالحکیم عالم دین ہیں آپ کو ان کی تعظیم کرنا

چاہیئے تھی شیخ آدم بولے ۔ ایک روایت میں آتا ہے ۔ العلماء اُمناء الدین مالم یخالطوا الملوک فاذا خالطوهم فهم الاصوص ۔

اس کے بعد سعد اللہ خاں نے دو چار اور سوالات کیے ، اور مجلس سے اُٹھ کر چلے آئے ۔ واپس آکر شاہجہان کو تمام حالات سنائے اور کہنے لگے "فقیرے است عامی متکبر کہ دعویٰ ہائے عریض می کند ۔ افغان است خود را سیّد می گویاند ۔ مع ہذا افاغنہ او را بسیار معتقد اند ، خوف آنست کہ فتنہ برخیزد" یہ سن کر بادشاہ کا مزاج متغیر ہو گیا ۔ اس نے شیخ کو کہلا بھیجا کہ آپ حج پر تشریف لے جائیں ۔ وہ تو پہلے ہی گویا کہ تیار بیٹھے تھے ۔ فوراً عازم مکہ مکرمہ ہو گئے ۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ آدم بنوری ، حضرت مجدد الف ثانی کے مرید خاص اور خلیفہ تھے ۔ اور مندرجہ بالا واقعہ ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۲ء میں پیش آیا جبکہ شاہجہان کشمیر سے واپسی پر لاہور میں قیام پذیر تھا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس موقعہ پر مولانا عبدالحکیم اور شیخ بنوری کے درمیان بعض مسائل اجتہادیہ کی تشریح کے متعلق بھی بات چیت ہوئی[1] ۔

فوق صاحب نے لاہور کے ایک مجذوب شیخ حسین "ڈاہڈا" کا ذکر کیا ہے جو طریقہ ملامتیہ پر کاربند تھا ۔ اور شریعت کے ظاہری احکام بجا نہیں لاتا تھا ۔ چنانچہ قاضی القضاۃ مخدوم الملک نے اسے سزا بھی دینا چاہی ۔

ایک دن مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی اس کے پاس گئے اور کہا ۔ میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں شیخ ڈاہڈا نے کہا ۔ کیوں مجھے رسوا کرنا چاہتے ہو ۔ جاؤ تم میرے کام کے نہیں ۔ اور نہ ہی میری شرائط پر پورے اتر سکتے ہو ۔ (شیخ ڈاڑھی منڈاتا تھا اور پیالہ ہاتھ میں ہوتا) مولانا نے فرمایا ۔ نہیں ۔ اگر تم مجھے دلیل اور برہان سے قائل کر لو تو جو کہو گے ، ماننے کو تیار ہوں ۔ اس نے جواب دیا ۔ جاؤ ، جاؤ ، تم خشک مُلّا میرے مطلب کے نہیں ہو[2]

مرأۃ العالم میں ایک بزرگ حاجی محمد سعید کا ذکر آتا ہے جن کے بارے میں لکھا ہے کہ فاضلِ مدقق و متورع بود ، مشرب عالی از فقر داشت[3] ۔ شاہجہان ان کے فضل و کمال کا بہت معترف تھا اور ان کے معتقدین میں سے تھا ، چنانچہ اس نے ایک مرتبہ مولانا عبدالحکیم اور وزیر سعد اللہ خاں کو ان کی خدمت میں بھیجا تاکہ انھیں کسی بڑے عہدے پر فائز ہونے کی ترغیب دے سکیں ، دونوں حضرات گئے لیکن حاجی محمد سعید نے

[1] "علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی" : مصنفہ منشی محمد الدین فوق ، ص ۲۲ ، [2] ایضاً ص ۲۵ ، ۲۶ ، [3] ورق ۲۹۲ ب

قبولِ ملازمت کی طرف توجہ نہ دی۔ نزہتہ الخواطر میں علامہ عبدالحکیم السیالکوٹی کے بھیجے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔[۱]
اسی کتاب میں ایک اور صاحبِ نسبت شخصیت شیخ علم اللہ نقشبندی بریلوی کے ذکر میں لکھا ہے کہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کہا کرتے تھے کہ سید علم اللہ نے ایک مرتبہ مجھے ایک روپیہ عنایت فرمایا، میں نے اسے اپنی تھیلی میں رکھ دیا۔ اور وہ کئی سال تک اسی میں پڑا رہا۔ جب تک یہ روپیہ اس تھیلی میں موجود رہا۔ اس میں دولت کی کمی واقع نہ ہوئی۔[۲]

ایک اور صاحبِ دل انسان شیخ بلاول قادری سے بھی مولانا کے قریبی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اتنے مقربِ بارگاہِ الٰہی بزرگ تھے کہ شاہجہان کئی بار خود چل کر ان کی قیام گاہ پر گئے۔[۳] مولانا عبدالحکیم نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی غنیۃ الطالبین کا فارسی ترجمہ انہی بزرگ کی استدعا پر کیا تھا۔[۴]

یہ تذکرہ نامکمل رہے گا اگر یہاں حضرت مجدد الف ثانی اور سیالکوٹی فلسفی کے تعلقات اور باہمی دوستی کا ذکر نہ کیا جائے۔ حضرت مجدد صاحب مولانا عبدالحکیم کے خواجہ تاش تھے۔ دونوں نے ملا کمال کشمیری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا، اور مختلف مواقع پر ان بزرگوں کی ملاقات کا پتہ چلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مولانا عبدالحکیم ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے شیخ احمد سرہندی کو "مجدد الف ثانی" کے خطاب سے یاد کیا۔[۵] چنانچہ اس کی تائید صاحبِ زبدۃ المقامات خواجہ محمد ہاشم کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو کہ حضرت مجدد صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مجدد صاحب سے ملاقات کے لیے سرہند بھی تشریف لے گئے تھے اور بہت دنوں تک وہاں قیام کیا، بلکہ اسی موقع پر آپ نے مجدد صاحب سے بیعت بھی کی۔ جنھوں نے آپ کو "آفتاب پنجاب" کے لقب سے نوازا۔[۶]

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحکیم کو مجدد صاحب سے بے پناہ عقیدت تھی اور وہ مخالفین کے مقابلے میں اپنے زورِ قلم سے بھی اپنے ہم سبق رفیق کی تائید و اعانت کا فریضہ سرانجام دیا کرتے تھے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے صاحبِ کشف الغطاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے سند العلماء افضل الفضلا مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی دیکھی تھی جس میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ کے مخالفین کے بعض شکوک و شبہات کا پُرزور طریقے سے رد کیا گیا ہے۔ "قدح کردن در سخن بزرگان بے مرادِ ایشان جہل است و نتیجہ

---

[۱] جزء خامس ص ۲۷۲، [۲] ایضاً ص ۲۷۹، [۳] عملِ صالح جزء سوم ص ۳۶۷،
[۴] دیکھیے مقدمۃ الکتاب از مولانا عبداللہ اللبیب، [۵] مجدد کا نظریۂ توحید ص ۱۰ [۶] تذکرہ علمائے ہند۔

نیک نہ دارد۔ پس ردِ کلام شیخت پناہ، عرفان دستگاہ شیخ احمد از جہل و نافہمیدگی است کتبہٗ الفقیر عبدالحکیم[۵۱]

علمائے ہند کا شاندار ماضی میں بتایا گیا ہے کہ ابتداء میں مولانا عبدالحکیم حضرت مجدد صاحب کے مخالف تھے، مگر ایک دن آپ نے حضرت مجدد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ مولانا کو مخاطب فرما کر یہ آیت قرآنی پڑھ رہے ہیں: قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (کہو اللہ، پھر ان کو چھوڑ دو) اس آیت کو سنتے ہی حضرت شیخ کا جذب اور شوقِ الٰہی آپ کے دل میں گھر کر گیا، اور فوراً قلب سے ذکر جاری ہو گیا۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ قلب ذکر میں جاری ہے۔ اس کمال تصرف کو دیکھ کر مولانا کے دل سے ساری مخالفت ختم ہو گئی۔ حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باقاعدہ سلسلہ میں داخل ہو گئے[۵۲]

اسی کتاب میں ایک اور واقعہ کا بھی تذکرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحکیم اور حضرت مجدد صاحب کی دوستی اور اخوت کی بنیادیں بہت گہری تھیں، اور مولانا اکثر و بیشتر مجدد صاحب کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعۃ فرزند خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "سات سال کا سن تھا کہ مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی تشریف لائے۔ آپ نے امتحاناً فرمایا۔ گویائی زبان کی صفت ہے، دل ایک پارچۂ گوشت ہے وہ کس طرح ذکر کر سکتا ہے؟ ہفت سالہ طفل نے جواب دیا۔ زبان بھی پارچۂ گوشت ہے جس قادرِ مطلق نے زبان کو گویائی عطا فرمائی وہی قلب کو قوتِ ذکر عطا فرماتا ہے ــــ یہ جواب سن کر مولانا نے فرمایا۔ نبیرۂ مجددؒ کو ایسا ہی ہونا چاہیئے"[۵۳]

وفات

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ۱۰۶۷ھ میں دارِ فانی کو خیرباد کہا۔ اور اپنے مولد و منشاء سیالکوٹ ہی میں دفن ہوئے جہاں آپ کا مزار تا حال موجود ہے اور مرجعِ خلائق ہے "مرأۃ العالم" کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۱ سال کی تھی۔

مولانا کی یہ تاریخِ وفات شاہجہان نامہ معروف بہ عمل صالح کے مصنف محمد صالح کنبوہ کی روایت کے مطابق ہے۔ محمد صالح کنبوہ کی مذکورہ بالا کتاب عہدِ شاہجہانی کی ایک مستند تاریخ ہے جو معاصر دور میں لکھی گئی۔ اس کتاب کے جزء سوم میں شاہجہانی دور کے معروف امراء اور ممتاز علماء و فضلاء کی سوانح مذکور ہیں جن میں سیالکوٹی فاضل کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ کنبوہ نے آپ کا ذکرِ خیر حبر محقق نحریر مدقق۔ سر آمدِ

---

[۵۱] نزہۃ الخواطر، جزء خامس ص ۴۸ [۵۲] جلد اول ص ۲۹۵ [۵۳] ایضاً ص ۳۸

دانشوران واجب التعظیم، مولانا عبدالحکیم "، کے الفاظ سے شروع کیا ہے۔ اس بیان کو پڑھنے کے بعد صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے معاصرین کی نگاہوں میں ہمارے سیالکوٹی فلسفی کی قدر و منزلت کس شان کی تھی۔ اگرچہ بعض کتابوں میں مولانا عبدالحکیم کی تاریخ وفات کے بارے میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے (جس کی کیفیت درج ذیل ہے) لیکن ہم نے معاصر ہونے کی بنا پر کنبوہ کے بیان کو سب پر ترجیح دی ہے اور دوسرے قدیم تذکروں سے بھی اسی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

محمد صالح کنبوہ لکھتا ہے: "بالجملہ آں صاحب فضائل صوری و معنوی حق عظیم بر سایر ارباب فضائل ثابت کردہ در سال ہزار و شصت و ہفت ہجری متوجہ دار البقاء گردید۔" (عمل صالح ج ۳، ص ۳۸۳)

بختاور خاں کا کہنا ہے:

"دوازدہم ربیع الاول سنہ ہزار و شصت و ہفت در سیالکوٹ رحلت نمود" (مرآۃ العالم ورق ۲۹۲ ب)

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے بیان سے بھی اسی سال وفات کی تائید ہوتی ہے، البتہ دوازدہم ربیع الاول کی بجائے وہ انتقال کی تاریخ ۱۸ ربیع الاول بتاتے ہیں۔ سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں: توفی فی الثامن عشر من ربیع الاول سنہ سبع وستین والف و دفن بسیالکوت۔

اور مآثر الکرام میں لکھتے ہیں: "دوازدہم ربیع الاول ۱۰۶۷ھ (سبع وستین والف) طومار حیات بپیچید و در سیالکوٹ مدفون گردید۔"

مولانا عبدالحی الحسنی الکھنوی تحریر فرماتے ہیں: "توفی فی الثامن عشر من ربیع الاول سنہ سبع وستین والف بمدینۃ سیالکوت ودفن بھا۔ (نزہۃ الخواطر، الجزء الخامس ص ۲۱۱)

زرکلی نے الاعلام میں (الجزء الرابع ص۵۵) اسماعیل باشا البغدادی نے ہدیۃ العارفین میں (الجلد الاول کالم ۵۰۴) اور مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند میں (ص ۱۱۱) یہی سن وفات تحریر کیا ہے۔ مولوی رحمان علی تاریخ شانزدہم ربیع الاول لکھتے ہیں اسی طرح مولانا محمد حسین آزاد نے اپنے ایک مختصر سے رسالہ تذکرۂ علما (ص ۳۶) میں یہی تاریخ وفات تحریر کی ہے۔

تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۵۸۸، اور حافظ عبدالرحمن امرتسری کی سیاحت ہند (ص ۶۰) میں بھی یہی سن وفات بیان کیا گیا ہے۔

لیکن فرحت الناظرین میں آپ کی وفات کا سال ۱۰۶۸ھ بتایا گیا ہے، اس کے مصنف محمد اسلم پسروری لکھتے ہیں: آں قدوۂ افاضل دوازدہم ربیع الاول سن ہزار و شصت و ہشت (۱۰۶۸ھ) کہ اوّل جلوس عالمگیری بود۔

در سیالکوٹ رحلت نمود۔

ابو عبداللہ محمد فاضل اکبر آبادی (متوفی ۱۱۰۱ھ) نے بھی مخبر الواصلین (ص ۱۰۴) میں یہی سن وفات تحریر کیا ہے اس کتاب میں حسبِ ذیل بیت سے تاریخ وفات نکلتی ہے :

سال نقلش بگو بہفت اقلیم　　مسکنِ مولوی بخلد نعیم

خزینۃ الاصفیاء میں بھی (بحوالہ مخبر الواصلین) یک ہزار و شصت و ہشت ہجری سالِ وفات بیان کیا گیا ہے، حسبِ ذیل قطعہ مؤلف نے اپنی طرف سے پیش کیا ہے :

چو عبدالحکیم آں ولیِ خدا　　ز دنیائے دوں شد بجنت مقیم
ندا شد پئے سالِ تاریخِ او　　ولی، مخزنِ علم، عبدالحکیم
۱۰۶۸

مولوی مہر الدین لاہوری، روضۃ الادباء میں اور مولوی فقیر محمد جہلمی حدائق الحنفیہ میں یہی سن بتاتے ہیں ۔ صاحبِ حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں: وفات آپ کی ۱۰۶۸ھ یا ۱۰۹۷ھ میں ہوئی۔ اور "شیخ محسن" آپ کی تاریخِ وفات ہے ۔

نظامی بدایونی نے قاموس المشاہیر میں (ص ۵۸ جلد دوم) سنِ وفات ۱۰۶۶ھ لکھا ہے۔ عبدالحی صدیقی بدایونی نے تذکرۃ العلما (ص ۶۱) میں تاریخِ وفات ۲۰ شعبان ۱۰۶۸ھ لکھی ہے اور بتایا ہے کہ "ملا عبدالحکیم قادری سہروردی طریقے سے تعلق رکھتے تھے"۔

تواریخِ سیالکوٹ (ص ۸۹) میں بھی ایک قطعہ درج ہے جس سے آپ کی وفات کا سن ۱۰۶۸ ہجری معلوم ہوتا ہے :

چو با حکمِ خدا داخلِ جناں شد　　حکیم، آں عالمِ دیں، با مروت
بخواں "عارفِ بہشتی" ارتحالش　　دوبارہ "متقی، احلالِ جنت"
۱۰۶۸

نواب صدیق حسن خاں، ابجد العلوم (ص ۹۰۳) میں لکھتے ہیں: توفی فی سنۃ ۱۰۹۷ و دفن ببلدہ۔

مولانا عبدالحکیم کی اولاد

فاضلِ سیالکوٹی کے نامور فرزند مولانا عبداللہ الملقب بہ لبیب[۱] تھے، جو اپنے عظیم المرتبت والد کی طرح

---

[۱] ڈاکٹر زبید احمد اپنی کتاب THE COTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITRATURE (ص ۴۰۸، ۲۷۷) میں آپ کا نام ابو اللبیب عبداللہ تحریر کرتے ہیں۔ لیکن معاصر شہادتوں کے پیش نظر یہ بیان درست

(باقی بر صفحہ ۱۶)

عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب عرفان بزرگ بھی تھے ۔ وہ اپنے اعلیٰ اخلاق و فضائل کی بناء پر اسلام کا عمدہ نمونہ سمجھے جاتے تھے، اور انھیں اوصاف و اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے لوگ انھیں "امام وقت" کہا کرتے تھے ۔ سُبحان رائے کا کہنا ہے : ...... اذا فزونی حُسنِ اخلاق و رہنمائی خلائق ایں بزرگ را "امام وقت" گفتندے[۱]

مولانا عبداللہ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم اپنے والدِ محترم سے پائی اور حدیثِ نبویؐ کا درس شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند مفتی نورالحق سے لیا[۲] اور اپنے والد کے صحیح جانشین بنے، بلکہ صاحب مرآۃ العالم کا بیان ہے کہ :

بحفظِ کلامِ مجید و قلتِ اختلاط با ارباب دول و رغبتِ طبع بانزوا و گوشہ نشینی بر والد ماجدِ خود مزیت داشت[۳]

فرحت الناظرین میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :

بگرد آوری علوم و حلِ مشکلات و تحقیق دقائق و تشخیصِ حقائق آں چناں چہ باید پرداختہ[۴]

مولانا عبداللہ اللبیب علوم ظاہری و باطنی میں کامل ادراک رکھتے تھے اور مولانا عبدالحکیم کی طرح ان کے فتاوی بھی علما کے ہاں بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، آپ اپنے

(بقیہ صفحہ ۱۵) معلوم نہیں ہوتا ۔ مولانا عبداللہ نے اپنا نام عبداللہ اللبیب لکھا ہے اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی اپنے فرزند کا لقب اللبیب ہی تحریر فرماتے ہیں ۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین کے ترجمۂ فارسی کے خطبے کا اختتام اس طرح کیا ہے: "ایں مقالہ فقیر عبداللہ الملقب باللبیب از زبانِ حقائق تبیان حضرت قدس اللہ سرہ العزیز شنیدہ در اول ایں نسخہ نوشتہ شد تا بر طالبانِ صادق معلوم بودہ، نسخہ از انتحال مامون و مصئون شدہ (دیکھیے : ترجمہ فارسی غنیۃ الطالبین از مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ۔ مطبع مرتضوی دہلی ۱۳۰۰ ھ ۔ خطبہ از مولوی عبداللہ)

مولانا عبدالحکیم حاشیہ شمسیہ میں لکھتے ہیں : الولد الاعز نور حدقۃ السعادۃ و نور حدیقۃ العبادۃ و فؤاد الفؤاد لھذا الغریب عبداللہ الملقب باللبیب ۔

۱؎ خلاصۃ التواریخ ص ۴۳ ۲؎ نزہۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۲۵۳

۳؎ مرآۃ العالم ورق ۴۹۲ ب

۴؎ اورینٹیل کالج میگزین ۔ مئی و اگست ۱۹۲۸ء

فضل و کمال اور علوم دینیہ کی تدریس و تعلیم کی بنا پر اپنے زمانے کے فضلاء میں ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ چنانچہ مآثر الامراء اور مآثر عالمگیری کے مطالعہ سے آپ کے اثر و رسوخ اور بے پناہ عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے مولانا عبدالحکیم کی وفات کے بعد ان کی قائم کردہ درسگاہ کو مزید رونق بخشی، ساری عمر درس و تدریس میں مصروف رہے اور اس طرح ان کے علمی و روحانی فیض کو جاری و ساری رکھا۔ خلاصۃ التواریخ (ص ۷۳) میں آپ کا ذکرِ خیر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وبعدِ رحلتِ ایشاں (مولانا عبدالحکیم) مقتدائے اہل اللہ، رہنمائے خلق اللہ مولوی عبداللہ خلفِ دوئمی آں مغفور رونق افزائے مدرسہ و رہنمائی طلبۂ علم اشتغال ورزیدہ۔ فضائل معنوی را با علومِ ثوری ہمدوش و درویشی با فضیلت ہم آغوش گردانیدہ۔

بلکہ تذکرہ علمائے ہند (ص ۲۶۹) میں تو (مبالغۃً ہی سہی) آپ کو "بگردآوری علوم از پدر فائق برآمدہ" قرار دیا گیا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر مولانا عبداللہ اللبیب کے علم و فضل کا بڑا قدردان تھا اور ان کی انتہائی عزت کرتا تھا۔ چنانچہ جب وہ ۱۰۸۶ھ میں لاہور آیا تو اس نے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور بصد اعزاز و احترام انھیں لاہور بلوا بھیجا، وہ سیالکوٹ سے لاہور پہنچے اور بادشاہ ان سے مل کر نہایت محظوظ ہوا اور اس نے وہ تمام اعزازات مع شیٔ زاید آپ کے لیے برقرار رکھے جو آپ کے والدِ ماجد کو اُن کی زندگی میں حاصل تھے[۱]۔ مآثر عالمگیری کے مطابق عالمگیر نے جب مولانا کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ سنا تو اُن سے ملنے کا مشتاق ہوا۔ چنانچہ اس نے حسن ابدال سے پیامِ شوقِ ملاقات لکھ بھیجا۔ اور جب وہ لاہور پہنچا تو آپ بھی سیالکوٹ سے لاہور تشریف لائے۔ بادشاہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اور خلعتِ خاص، دو سو اشرفیاں اور ایک ہاتھی دے کر وطن رخصت کیا[۲]۔

عالمگیر کی شاہانہ عنایات ان پر ہمیشہ ہوتی رہیں۔ مرآۃ العالم میں آپ کی بادشاہ کے ساتھ ایک اور ملاقات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بزم تیموریہ کے مطابق یہ واقعہ ۱۰۹۳ھ کا ہے۔

اس وقت عالمگیر اورنگ زیب اجمیر میں مقیم تھا۔ اس نے آپ کو سیالکوٹ سے بلوا بھیجا۔ آپ اجمیر پہنچے اور شاہانہ عنایات سے پہلے سے بھی بڑھ کر متمتع ہوئے۔ بادشاہ نے آپ کو اجمیر کی "صدارتِ عظمیٰ" تفویض کرنا

---

[۱] نزہتہ الخواطر۔ الجزالخامس ص ۲۵۳، [۲] فرحت الناظرین، [۳] ص ۱۴۹

چاہی - چنانچہ بختاور خاں نے (جو بقولِ خود : ربطے باآں جامع کمالات داشت) آپ کو بادشاہ کا پیغام سنایا - مگر آپ کی "زبانِ صدق بیان" نے یہ کہہ کر اس شاہانہ پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ :

"الحال کہ سفینِ عمر ستین رسیدہ، وقتِ ترکِ نوکری است نہ اختیارِ نوکری"۔

مولانا نے چند روز اجمیر میں قیام کیا اور پھر باعزاز تمام اپنے وطنِ مالوف کو لوٹ آئے[1]

مولانا عبدالحی لکھنوی کا کہنا ہے کہ عالمگیر نے اپنے ہاتھ سے آپ کو خط لکھا تھا اور بختاور خاں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو اس عہدے کے قبول کر لینے کی ترغیب دے - چنانچہ اس نے آپ کو خط لکھا مگر آپ نے جواب دیا : "ان الزمان زمان الفراق"۔ اس کے باوجود آپ نے محض اس دیندار حکمران کے امتثالِ امر کی خاطر اجمیر کا سفر کرنا منظور کر لیا[2]

بہر حال ـــــ مولانا عبداللہ اللبیب ایک عظیم باپ کے عظیم فرزند تھے، اور اپنے زمانے کے بہت محترم علماء و فضلا کی صف میں ان کا شمار ہوتا تھا - مولانا عبدالحی نے آپ کے لیے "الشیخ العالم الکبیر العلامۃ . . . . احد العلماء المشہورین بارض الہند" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور لکھا ہے کہ عالمگیر اور اس کے شاہزادے آپ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے[3] اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا اگرچہ آپ درباری کی زندگی کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے لیکن بقولِ صاحبِ مرآۃ العالم محض اپنے اوصافِ حمیدہ کی بنا پر "حضرت گیہان پناہ" کے "مراحمِ بے پایاں" سے متمتع ہوا کرتے تھے[4]

آپ نے عالمگیر کے جلوس ۲۶ مطابق ۱۰۹۴ھ (شب جمعۃ المبارک) کو سفرِ آخرت اختیار کیا - بختاور خاں کا بیان ہے کہ آپ کی وفات بآزارِ لقوہ ہوئی - یہ خبر سن کر بادشاہ کی طبیعت بہت متاثر ہوئی اور آپ نے اجمیر کی ملاقات میں عدمِ قبولِ نوکری کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا وہ اسے یاد آیا - اس نے آپ کے صاحبزادوں کے لیے آپ کی جاگیر کو بحال رکھا[5]

مآثرِ عالمگیری ص ۲۲۸ میں آپ کا سنِ وفات ۱۰۹۳ھ درج[6] ہے - مصنف کا کہنا ہے کہ شہر یار

---

[1] مرآۃ العالم ورق ۴۹۴ ب ، [2] نزہۃ الخواطر جلد پنجم ، [3] ایضاً ، [4] مرآۃ العالم ورق ۴۹۴ ب -

[5] ایضاً ، [6] مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی صاحب مآثرِ عالمگیری کا قول نقل کیا ہے (۱۰۹۳ھ) ہدیۃ العارفین (کالم ۴۷۸) میں آپ کا سنِ وفات ۱۰۸۰ھ لکھا ہے جو بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتا - مخبرالواصلین ص ۱۲۳ میں آپ کی تاریخِ وفات کا قطعہ حسبِ ذیل ہے : مولویِ زمانہ عبداللہ عطر اللہ قبرہ و ثراہ !

عقل تاریخ نقلِ آں مغفور گفت "شد خلد جائے عبداللہ"

فاضل نواز و معارف پرور کو جب مرحوم کی وفات کی خبر ملی تو اس نے ان کے چار صاحب زادوں اور بیوہ کے لیے خلعتِ تعزیت روانہ کی۔ اور ان کے وظائف میں بھی اضافہ کیا[1]

مولانا عبداللہ اللبیب اپنے فاضل باپ کے مدرسہ کے نگران اور وارث تھے اس لیے آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی یقیناً خاصی بڑی ہوگی۔ مولانا عبدالحی الحسنی کا بیان ہے:

تم درس وافاد و الف وتمیز، واشتھر بالفضل و الکمال اخذ عنہ خلق کثیر[2]

لیکن افسوس کہ ہمیں اس سلسلے میں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور آپ کے بہت کم تلامذہ کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے۔

ماٰثر الامراء میں آپ کے ایک شاگرد اخلاص خاں کا پتہ چلتا ہے جس نے اپنے استاد کی سفارش سے بلند مراتب حاصل کیے اور اورنگ زیب کے دربار میں رسائی پائی۔ یہ شخص دراصل ہندو کھتری تھا، اور اس کا اصل نام دیبی داس تھا۔ اسے بچپن ہی سے کسب علوم کا شوق تھا، اور وہ علماء فقراء کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ ماٰثر الامراء کے الفاظ ہیں:

چوں با ملا عبداللہ سیالکوٹی نسبت شاگردی داشت بوساطتِ او ملازمتِ خلد مکان حاصل نمودہ باخلاص کیش موسوم گردید[3]

منشی محمد الدین فوق نے لکھا ہے کہ دیبی داس نے مولانا عبداللہ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور نام محمد اخلاص خاں رکھا گیا۔ اسے نظم ونثر میں یدِ طولیٰ حاصل تھا اور طرزِ جدید کی فارسی انشا پردازی میں اسے ایسی مہارتِ تامہ حاصل تھی کہ اورنگ زیب عالمگیر نے بارہا اسے "احسنت" اور "آفرین" کے کلمات سے نوازا۔ اسے شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور علمی مشاغل سے بھی زندگی بھر دامن وابستہ رہا۔ اخلاص خاں نے ۱۱۲۳ھ میں سیالکوٹ میں وفات پائی[4]

مولانا عبداللہ اللبیب صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ جیسا کہ پیشتر ازیں نزہۃ الخواطر کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے آپ کی حسبِ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے:

تفسیر سورۃ الفاتحۃ۔ التصریح بغوامض التلویح۔ حاشیہ علی الہدایہ۔ زاد اللبیب فی سفر الحبیب،

---

[1] ماٰثر عالمگیری ص ۲۲۹ ۔ [2] نزہۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۲۵۴ ، [3] جلد اول ص ۳۵۰ ،

[4] سوانح علامہ عبدالحکیم ص ۸۸

حاشیہ علی حاشیۃ عبدالغفور علی شرح الجامی[1]۔

صاحب فرحتہ الناظرین کا کہنا ہے: از تصانیفش حاشیۂ ہدایہ بغایت مشہور است[2]۔

مولانا عبدالحی لکھنوی التصریح کے بارے میں رقمطراز ہیں: ومن مصنفاتہ "التصریح علی التلویح" فی اصول الفقہ من البدایۃ الی المقدمات الاربعۃ[3]

مولانا عبدالحی نے آپ کی ایک اور تصنیف کا بھی ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

ومنہا رسالۃ فی حقایق التوحید ـــ صنّفہا بامر عالمگیر[4]

یہی مصنف مزید تحریر کرتے ہیں: ولہ غیر ذلک من الرسائل[5]

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام رود کوثر (ص ۴۴۱) میں مرآۃ العالم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے مولانا عبداللہ اور ان کے شاگردوں کو فتاویٰ عالمگیری کا فارسی میں ترجمہ کرنے کے لیے بھی کہا تھا، لیکن غالباً اس فیصلے پر عمل نہ ہو سکا۔

بے جا نہ ہوگا اگر سب سے آخر میں محمد صالح کنبوہ کے وہ کلمات یہاں بکمالہا درج کر دیئے جائیں جو اُس نے مولانا عبداللہ اللبیب کی تعریف میں لکھے:

"اکنوں در جمیعِ امور بہمہ وجوہ بارث و استحقاق جانشین آنجناب، مجموعۂ کمالاتِ انسانی، حقائق و معارف آگاہ مولانا عبداللہ خلف الصدق آنحضرت است کہ جامعِ جمیعِ علوم است، و صاحبِ مکارمِ اخلاق و کرایم اعراق و محاسن شمائل و محامدِ خصائل - امید کہ ایزد تعالیٰ آں مظہرِ فیضِ ایزدی و موردِ عنایاتِ سرمدی را مسند آرایِ انجمنِ فضائل بسے سال دارد"[6]

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، مولانا عبداللہ اللبیب کے چار صاحبزادے تھے لیکن تذکروں میں ہمیں ان کے نام اور حالات سے آگاہی نہیں ہوتی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی اولاد اور ورثا میں سے مولانا عبداللہ کے بعد کم ہی لوگوں کا ذکر تاریخ کی کتابوں اور معاصر تذکروں میں ملتا ہے ڈاکٹر زبید احمد نے ایک عالم محمد فضل اللہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے

---

1. THE CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITRTURE

2. اورینٹیل کالج میگزین

3. نزہتہ الخواطر الجزء الخامس صفحہ ۲۵۔ ۴. ایضاً

5. ایضاً

6. عملِ صالح۔ جلد سوم ص ۲۸۳-۴

نواسے تھے۔ انھوں نے مولانا عبدالحکیم کی تفسیر سورۂ فاتحہ پہ حاشیہ لکھا جو سن ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس حاشیہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے [1]

کشمیر کی بعض تاریخوں میں مولانا عبدالحکیم کے بعض ورثاء کے نام ملتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک بزرگ مولوی جان محمدؒ بن ملا ابوالفتح بن ملا فاضل تھے۔ ان کے بارے میں "تاریخ کبیر کشمیر" میں لکھا ہے:۔

"از احفاد ملا عبدالحکیم بود، و در علوم صوری از عاقل استفادہ کردہ فاضلِ دوران شد، و بین الاقران ممتاز گشت۔"

منشی محمدالدین فوق لکھتے ہیں کہ مولوی جان محمدؒ نے سنِ بلوغت کو پہنچنے سے پیشتر ہی علوم مروجہ میں کافی مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ زمانے کی نیرنگیوں سے مجبور ہو کر عالمِ شباب میں نادر شاہ درانی کے حملے سے کچھ عرصہ پیشتر محمدؒ شاہ کے دربار میں دہلی پہنچے۔ اُن کے جدِّ امجد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی کارنامے تاہنوز ان کے نام کو چار چاند لگا رہے تھے اور ان کی عزت و شہرت ابھی تک قائم تھی، چنانچہ محمدؒ شاہ نے مولوی جان محمدؒ کے لیے بارہ سَو روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا، جو غالباً نادر شاہ کے حملے کے بعد بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد مولوی جان محمد کشمیر کی طرف چلے گئے اور سیر و سیاحت کرتے ہوئے کابل جا پہنچے افغانستان میں اس وقت تیمور شاہ درّانی برسرِ اقتدار تھا۔ اُس نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی اور معقول مشاہرہ مقرر کر دیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد آپ کابل سے واپس چلے آئے اور آخر عمر تک کشمیر میں درس و تدریس اور تعلیم و تعلم میں مشغول رہے۔ آپ نے سری نگر میں وفات پائی۔

مولوی جان محمدؒ کے صاحبزادے مولوی محمد الدین تھے، جو سیاہ فام ہونے کی وجہ سے "اسود" کے نام سے مشہور تھے۔ وہ شیخ محمود تارہ بلی کشمیری کے شاگرد تھے اور تکمیل تعلیم کے بعد بڑی شہرت کے مالک ہوئے۔ کشمیر میں عمر بھر تعلیم و تدریس میں مصروف رہے۔ تاریخ کبیر کشمیر کے مطابق آپ بڑے پائے کے عالم و فاضل انسان تھے۔ انھوں نے بھی مولانا عبدالحکیم کی طرح بہت سی کتب مروجہ پہ حاشیے لکھے۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو سری نگر میں انتقال کیا [2]

---

[1] THE CONTRIBUTION OF INDIA ARABIC LITERATURE

[2] سوانح علامہ عبدالحکیم ص ۴۲ - ۴۱۔

فوق صاحب نے مولانا عبدالحکیم کی اولاد میں سے ایک اور بزرگ عالم مولوی غلام مصطفیٰ کا ذکر بھی کیا ہے، جو ۱۳۱۰ھ کے لگ بھگ سیالکوٹ کے محلہ میانہ پورہ میں رہتے تھے[۱]۔ یہ وہی محلہ ہے جہاں مولانا عبدالحکیم کا مسکن تھا۔ اور جس کے قرب و جوار میں اب بھی آپ کی بہت سی یادگاریں موجود ہیں۔

"تاریخ کبیر کشمیر (ص ۳۰۹) میں ایک اور نامور عالم مولوی قطب الدین فرزند مولوی محی الدین کشمیری کا ذکر کیا گیا، اور لکھا ہے :۔ "در علمِ ظاہری فرید یکتا بود۔"

آپ بھی مولانا عبدالحکیم کی اولاد سے تھے، اور آپ کے والد مولوی محی الدین کا وطن و مولد کشمیر تھا۔ لیکن آپ کشمیر سے نقلِ وطن کر کے امرت سر چلے آئے تھے، یہیں آپ نے وفات پائی اور شہر سے باہر "مقبرہ فتح بابا" میں دفن کیے گئے۔ آپ کا انتقال تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوا، اگرچہ صحیح تاریخِ وفات اور سال معلوم نہیں۔ آپ نے بہت سے علمی رسائل اپنی یادگار چھوڑے جن میں سے اوضح الدلائل در جواب خمسہ مسائل اور ہلال عید زیادہ مشہور ہیں[۲]۔

فوق صاحب نے آپ کی ایک اور تصنیف تحفۃ الہند کا ذکر بھی کیا ہے[۳]۔

مولوی قطب الدین کے شاگرد امرتسر کے مشہور خاندانِ قاسمی کے ایک فرد مولانا ابو زبیر غلام رسول شہید مفتیٔ امرت سر تھے[۴]۔ ان مفتی صاحب کے تلامذہ کی فہرست میں حسبِ ذیل بزرگ شامل ہیں :

مولانا نور بخش توکّلی سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔ مولانا نجم الدین سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور مولانا رسول خاں صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند (حال جامعہ اشرفیہ لاہور) مولانا ثناء اللہ صاحب امرت سری اور مشہور شاعر و صحافی حکیم فیروز الدین طغرائی[۵]۔

مولوی قطب الدین کے ایک اور شاگرد مولوی احمد اللہ قاسمی (م: ۱۳۰۴ھ) خلف پیر صدیق اللہ قاسمی تھے۔ تاریخ کبیر کشمیر (ص ۳۱) میں ہے: "شاگرد ..... مولوی قطب الدین سیالکوٹی (ثم امرتسری)"

مولوی احمد اللہ قاسمی کے شاگرد مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی (م: ۱۳۵۲ھ) تھے اور ان کے نامور تلامذہ کی فہرست میں مفتی محمد حسن صاحب مرحوم اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم بھی شامل ہیں[۶]۔

۱۔ ایضاً ۲۔ تذکرۂ اسلاف ص ۹-۸۸ ، ۳۔ سوانح ص ۴۲۔

۴۔ تذکرۂ اسلاف ص ۸۲-۶۶ ، ۵۔ ایضاً ص ۹-۸۹ ، ۶۔ تذکرۂ اسلاف ص ۱۱۰